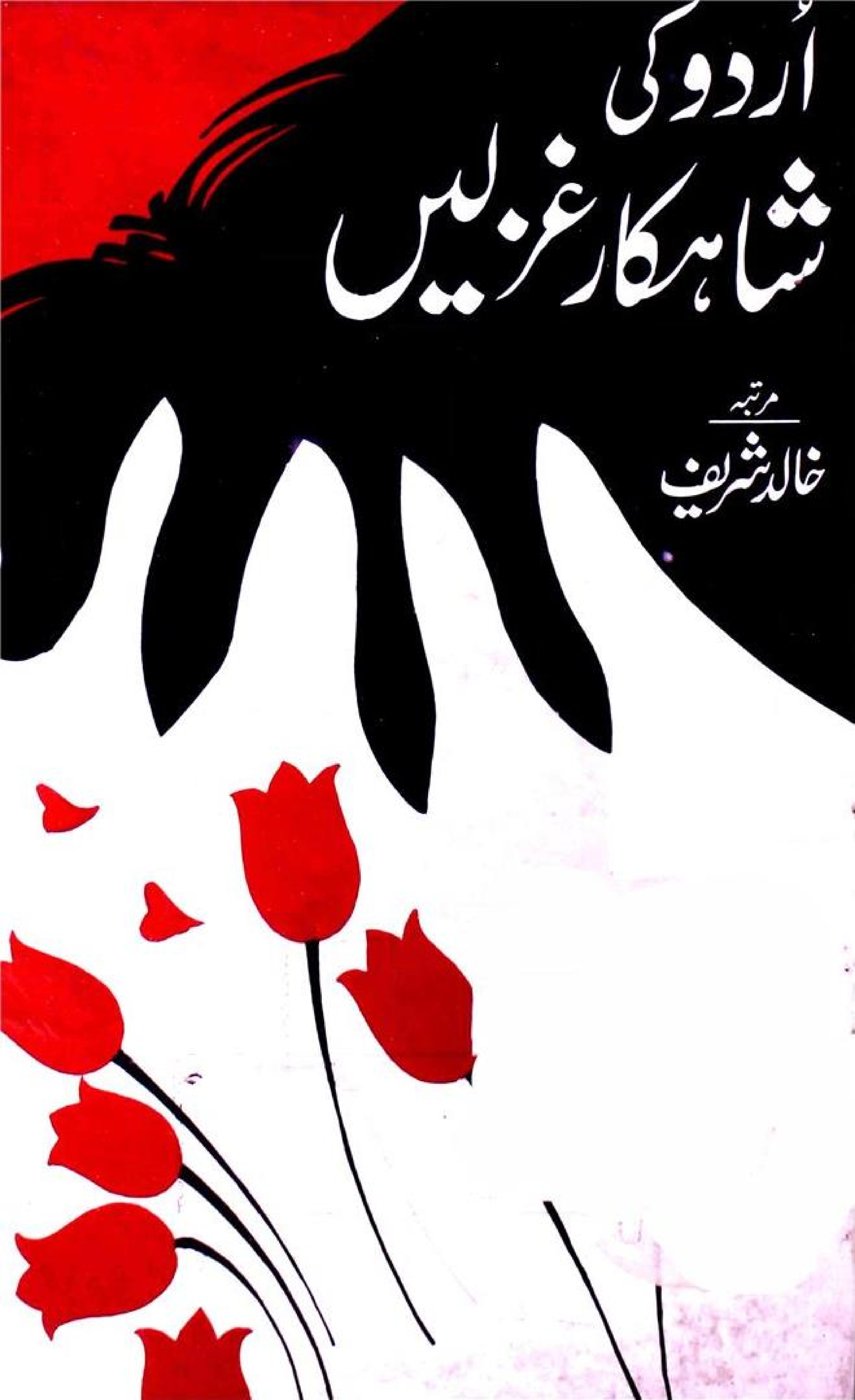
اُردو کی
شاہکار غزلیں
مرتبہ
خالد شریف

اُردو کی

شاہکار غزلیں

مرتّبہ

خالد شریف

○

ماورا پبلشرز
بہاولپور روڈ ۔ لاہور

باذوق لوگوں کے لیے
ہماری کتابیں
خوبصورت کتابیں

ترتیب، تزئین و اہتمام اشاعت

ECTION

خالد شریف

ماورا

ضابطہ

بار اوّل — اگست ۱۹۸۸ء
خوشنویس — محمد حسین (شاہ)
طابع — صوفی اکرام پرنٹرز، لاہور
قیمت — ۵۰ روپے

فہرستِ غزلیات

۱ — ولی دکنی — کیا مجھ عشق کوں ظالم نے آب آہستہ آہستہ ، ۷
۲ — میر تقی میر — اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا ، ۸
۳ — " " " — ہستی اپنی حباب سی ہے ، ۹
۴ — " " " — دیکھ تو دل کہ جاں سے اُٹھتا ہے ، ۱۰
۵ — سودا — گُل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی ، ۱۱
۶ — خواجہ میر درد — تہمت چند اپنے ذمّے دھر چلے ، ۱۲
۷ — " " " — ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے ، ۱۳
۸ — " " " — ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں ، ۱۴
۹ — مصحفی — ترے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا ، ۱۶
۱۰ — انشا — کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں ، ۱۸
۱۱ — غالب — دلِ ناداں تجھے ہُوا کیا ہے ، ۲۰
۱۲ — " — یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا ، ۲۲
۱۳ — " — آہ کو چاہیے اِک عمر اثر ہونے تک ، ۲۴
۱۴ — " — نکتہ چیں ہے غمِ دل اُس کو سنائے نہ بنے ، ۲۶
۱۵ — مومن — وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو ، ۲۸
۱۶ — " — ناوک انداز جدھر دیدہ جاناں ہوں گے ، ۳۰
۱۷ — " — اثر اس پر ذرا نہیں ہوتا ، ۳۲
۱۸ — ذوق — لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے ، ۳۴
۱۹ — بہادر شاہ ظفر — لگتا نہیں ہے جی مرا اُجڑے دیار میں ، ۳۶
۲۰ — " " " — بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی ، ۳۷
۲۱ — " " " — نہ کسی کی آنکھ کا نُور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں ، ۳۸
۲۲ — آتش — یہ آرزو تھی تجھے گُل کے رُوبرو کرتے ، ۳۹
۲۳ — امیر مینائی — جب سے بُلبل تُو نے دو تنکے لیے ، ۴۰

۲۴ —	حالی	ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں	۴۲ ،
۲۵ —	اکبر الٰہ آبادی	ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے	۴۴ ،
۲۶ —	، ، ،	غمزہ نہیں ہوتا کہ اشارہ نہیں ہوتا	۴۵ ،
۲۷ —	آرزو لکھنوی	اوّلِ شب وہ بزم کی رونق شمع بھی تھی پروانہ بھی	۴۶ ،
۲۸ —	محمد علی جوہر	دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد	۴۷ ،
۲۹ —	علامہ اقبال	ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں	۴۸ ،
۳۰ —	، ،	کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں	۵۰ ،
۳۱ —	، ،	تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ	۵۱ ،
۳۲ —	حسرت موہانی	چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے	۵۳ ،
۳۳ —	، ،	نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے	۵۵ ،
۳۴ —	جگر مراد آبادی	دل میں کسی کے راہ کیے جا رہا ہوں میں	۵۷ ،
۳۵ —	ثاقب لکھنوی	ہجر کی شب نالۂ دل وہ صدا دینے لگے	۵۹ ،
۳۶ —	نظام رامپوری	انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ	۶۰ ،
۳۷ —	حفیظ جونپوری	بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے	۶۲ ،
۳۸ —	جوش ملیح آبادی	سوزِ غم دے کے مجھے اس نے یہ ارشاد کیا	۶۴ ،
۳۹ —	فیض احمد فیض	گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے	۶۶ ،
۴۰ —	، ، ،	دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے	۶۸ ،
۴۱ —	، ، ،	نہ گنواؤ ناوکِ نیم کش، دلِ ریزہ ریزہ گنوا دیا	۶۹ ،
۴۲ —	، ، ،	آئے کچھ ابر کچھ شراب آئے	۷۰ ،
۴۳ —	صوفی غلام مصطفےٰ تبسمؔ	سو بار چمن مہکا سو بار بہار آئی	۷۲ ،
۴۴ —	، ، ، ،	یہ کیا کہ اک جہاں کو کرو وقفِ اضطراب	۷۳ ،
۴۵ —	حفیظ ہوشیار پوری	محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے	۷۵ ،
۴۶ —	چراغ حسن حسرت	یارب غمِ ہجراں میں اتنا تو کیا ہوتا	۷۷ ،
۴۷ —	، ، ،	آؤ حسنِ یار کی باتیں کریں	۷۸ ،
۴۸ —	معین احسن جذبی	مرنے کی دعائیں کیوں مانگوں جینے کی تمنا کون کرے	۸۰ ،
۴۹ —	احمد ندیم قاسمی	گل ترا رنگ چرا لائے ہیں گلزاروں میں	۸۱ ،
۵۰ —	، ، ،	شام کو صبحِ چمن یاد آئی	۸۳ ،

۵۱ — ساحر لدھیانوی — محبت ترک کی میں نے گریباں سی لیا میں نے ، ۸۴

۵۲ — سیف الدین سیف — مری داستانِ حسرت وہ سنا سنا کے روئے ، ۸۵

۵۳ — قتیل شفائی — گرمیٔ حسرتِ ناکام سے جل جاتے ہیں ، ۸۶

۵۴ — شکیل بدایونی — مری زندگی ہے ظالم ترے غم سے آشکارا ، ۸۷

۵۵ — عدم — وہ باتیں تری وہ فسانے ترے ، ۸۹

۵۶ — ناصر کاظمی — گئے دنوں کا سراغ لے کر کدھر سے آیا کدھر گیا وہ ، ۹۱

۵۷ — ″ ″ — کچھ یادگارِ شہرِ ستمگر ہی لے چلیں ، ۹۳

۵۸ — ″ ″ — دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی ، ۹۴

۵۹ — مجید امجد — روش روش ہے نکہت فشاں گلاب کے پھول ، ۹۶

۶۰ — منیر نیازی — بے چین بہت پھرنا گھبرائے ہوئے رہنا ، ۹۸

۶۱ — ″ ″ — اشک رواں کی نہر ہے اور ہم ہیں دوستو ، ۹۹

۶۲ — ظفر اقبال — یہاں کسی کو بھی کچھ حسبِ آرزو نہ ملا ، ۱۰۱

۶۳ — شہزاد احمد — جو شجر سوکھ گیا ہے وہ ہرا کیسے ہو ، ۱۰۲

۶۴ — حبیب جالب — اس شہرِ خرابی میں غمِ عشق کے مارے ، ۱۰۴

۶۵ — ابن انشا — کل چودھویں کی رات تھی شب بھر رہا چرچا تیرا ، ۱۰۵

۶۶ — ″ ″ — انشا جی اُٹھو اب کوچ کرو اس شہر میں جی کا لگانا کیا ، ۱۰۷

۶۷ — احمد فراز — اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں ، ۱۰۹

۶۸ — ″ — رنجش ہی سہی دل ہی دُکھانے کے لیے آ ، ۱۱۱

۶۹ — ″ — تیری باتیں ہی سنانے آئے ، ۱۱۳

۷۰ — مصطفےٰ زیدی — کسی اور غم میں اتنی خلشِ نہاں نہیں ہے ، ۱۱۵

۷۱ — شکیب جلالی — گلا ملا نہ کبھی چاند بخت ایسا تھا ، ۱۱۶

۷۲ — ادا جعفری — ہونٹوں پہ کبھی اُن کے مرا نام بھی آئے ، ۱۱۸

۷۳ — کشور ناہید — وہ اجنبی تھا غیر تھا کس نے کہا نہ تھا ، ۱۲۰

۷۴ — ساغر صدیقی — چراغِ طور جلاؤ بڑا اندھیرا ہے ، ۱۲۲

۷۵ — مظفر وارثی — کیا بھلا مجھ کو پرکھنے کا نتیجہ نکلا ، ۱۲۴

۷۶ — خاطر غزنوی — گو ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے ، ۱۲۶

۷۷ — حمایت علی شاعر — ہر قدم پر نت نئے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں لوگ ، ۱۲۸

۷۸ — اطہر نفیس — وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا اب اُس کا حال بتائیں کیا، ۱۳۰

۷۹ — افتخار عارف — مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کر دے ، ۱۳۱

۸۰ — محسن نقوی — یہ دل یہ پاگل دل مرا کیوں بجھ گیا آوارگی ، ۱۳۳

۸۱ — رشید قیصرانی — میرے لیے تو حرفِ دُعا ہو گیا وہ شخص ، ۱۳۵

۸۲ — پروین شاکر — کُو بہ کُو پھیل گئی بات شناسائی کی ، ۱۳۷

۸۳ — ″ ″ — وہ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا ، ۱۳۹

۸۴ — امجد اسلام امجد — کسی کی آنکھ جو پُرنم نہیں ہے ، ۱۴۱

۸۵ — عبیداللہ علیم — عزیز اتنا ہی رکھو کہ جی سنبھل جائے ، ۱۴۳

۸۶ — ″ ″ — بنا گلاب تو کانٹے چبھا گیا اک شخص ، ۱۴۴

۸۷ — بشیر بدر — یہ چراغ بے نظر ہے یہ ستارہ بے زباں ہے ، ۱۴۶

۸۸ — سبطِ علی صبا — ملبوس جب ہوا نے بدن سے چرا لیے ، ۱۴۷

۸۹ — سلیم کوثر — میں خیال ہوں کسی اور کا مجھے سوچتا کوئی اور ہے ، ۱۴۸

۹۰ — عدیم ہاشمی — فاصلے ایسے بھی ہوں گے درمیاں سوچا نہ تھا ، ۱۴۹

۹۱ — خالد احمد — ترکِ تعلقات پہ رویا نہ تو نہ میں ، ۱۵۰

۹۲ — اسلم انصاری — میں نے روکا بھی نہیں اور وہ ٹھہرا بھی نہیں ، ۱۵۱

۹۳ — جمال احسانی — چراغ سامنے والے مکان میں بھی نہ تھا ، ۱۵۳

۹۴ — شعیب بن عزیز — اب اُداس پھرتے ہو سردیوں کی شاموں میں ، ۱۵۴

۹۵ — صابر ظفر — دریچہ بے صدا کوئی نہیں ہے ، ۱۵۵

۹۶ ایوب خاور — سات سُروں کا بہتا دریا تیرے نام ، ۱۵۶

۹۷ نثار ترین جاذب — مجھ سے کرتا تھا نہ ملنے کے بہانے کتنے ، ۱۵۷

۹۸ فاروق روکھڑی — ہم تم ہوں گے بادل ہو گا ، ۱۵۸

○

کیا مجھ عشق کوں ظالم نے آب آہستہ آہستہ
کہ آتش گل کوں کرتی ہے گلاب آہستہ آہستہ

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں گل رو سوں
خطاب آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ

مرے دل کوں کیا بے خود تری انکھیاں نے آخر کوں
کہ جیوں بے ہوش کرتی ہے شراب آہستہ آہستہ

ہُوا تجھ عشق سوں اے آتشیں رُو دل مرا پانی
کہ جیوں گلتا ہے آتش سوں گلاب آہستہ آہستہ

ولی مجھ دل میں آتا ہے خیالِ یارِ بے پروا
کہ جیوں انکھیں میں آجاتا ہے خواب آہستہ آہستہ

(ولی دکنی)

○

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

عہدِ جوانی رو رو کاٹا، پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے، صبح ہوئی آرام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

یاں کے سپید و سیاہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا، یا دن کو جوں توں شام کیا

میرؔ کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو، اُن نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

(میر تقی میر)

○

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

نازکی اُس کے لب کی کیا کہیئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اُسی خانہ خراب کی سی ہے

میرؔ اُن نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

(میر تقی میر)

○

دیکھ تو دل کہ جاں سے اُٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے

گور کس دل جلے کی ہے یہ فلک
شعلہ اک صبح یاں سے اُٹھتا ہے

بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو
جو ترے آستاں سے اُٹھتا ہے

یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے

عشق اک میرؔ بھاری پتھر ہے
کب یہ تجھ ناتواں سے اُٹھتا ہے

(میر تقی میرؔ)

○

گُل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو ادھر بھی

کیا ضد ہے مرے ساتھ، خدا جانے وگرنہ
کافی ہے تسلّی کو مرے ایک نظر بھی

کس ہستیِ موہوم پہ نازاں ہے تو اے یار!
کچھ اپنے شب و روز کی ہے تجھ کو خبر بھی

تنہا ترے ماتم میں نہیں شامِ سیہ پوش
رہتا ہے سدا چاک گریبان سحر بھی

سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

(سودا)

تہمتِ چند اپنے ذِمّے دھر چلے
جس لیے آئے تھے، سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

ہم جہاں میں آئے تھے تنہا، ولے
ساتھ اپنے اب اُسے لے کر چلے

ساقیا، یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے، ساغر چلے

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے، کِدھر چلے

(خواجہ میر درد)

(۷)

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تُو سما سکے

وحدت میں تیری حرفِ دُوئی کا نہ آ سکے
آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے

میں وہ فتادہ ہوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقشِ قدم کی طرح نہ کوئی اُٹھا سکے

اخفائے رازِ عشق نہ ہو آبِ اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

مستِ شرابِ عشق وہ بے خود ہے جس کو حشر
اے دردؔ چاہے لائے بخود پھر نہ لا سکے

(خواجہ میر دردؔ)

○

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں
ہم آئینہ کے سامنے جب آ کے ہُو کریں

تر دامنی پہ شیخ، ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں!

ہر چند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں ناقبول
منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں

نے گل کو ہے ثبات، نہ ہم کو ہی اعتبار
کس بات پر چمن، ہوسِ رنگ و بو کریں

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر
اے دردؔ، آ کے بیعتِ دستِ سبو کریں

(خواجہ میر دردؔ)

○

ترے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اِس سے بات کرنا، کبھی اُس سے بات کرنا

تجھے کس نے روک رکھا، ترے جی میں کیا یہ آئی
کہ گیا تو بھول ظالم، اِدھر التفات کرنا

ہُوئی تنگ اُس کی بازی، مری چال سے تو رخ پھیر
وہ یہ ہمدموں سے بولا، کوئی اس سے مات کرنا

یہ زمانہ وہ ہے جس میں، ہیں بزرگ و خورد جتنے
انھیں فرض ہوگیا ہے گلۂ حیات کرنا

جو سفر میں ساتھ ہوں ہم تو رہے یہ ہم پہ قدغن
کہ نہ منہ کو اپنے ہرگز طرفِ قنات کرنا

یہ دعائے مصحفیؔ ہے، جو اجل بھی اُس کو آوے
شبِ وصل کو تُو یا رب، نہ شبِ وفات کرنا

(مصحفیؔ)

○

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری، راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور دھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں

یہ اپنی چال ہے افتادگی سے اب کہ پہر دن تک
نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

کہاں صبر و تحمّل، آہ ننگ و نام کیا شے ہے
یہاں رو پیٹ کر ان سب کو ہم یکبار بیٹھے ہیں

نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یارو
جہاں پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

(انشا)

○

دلِ ناداں تجھے ہُوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی، یہ ماجرا کیا ہے

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہے

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ، اے خدا، کیا ہے

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

شکنِ زلفِ عنبریں کیوں ہے
نگہِ چشمِ سرمہ سا کیا ہے

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے

ہم کو اُن سے وفا کی ہے امّید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

جان تم پر نثار کرتا ہُوں
میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا
اور درویش کی صدا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

(غالب)

○

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے، یہی انتظار ہوتا

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے، ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غم گسار ہوتا

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو، یہ اگر شرار ہوتا

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا، غمِ روزگار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بُری بلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا

ہُوئے مر کے ہم جو رُسوا ہُوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

یہ مسائلِ تصوّف، یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

(غالبؔ)

○

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں، کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب اور تمنّا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں، خونِ جگر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تجھ کو خبر ہونے تک

پرتوِ خُور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یک نظر بیش نہیں، فرصتِ ہستی غافل
گرمیٔ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جُز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

(غالبؔ)

○

نکتہ چیں ہے، غمِ دل اُس کو سُنائے نہ بنے
کیا بنے بات، جہاں بات بنائے نہ بنے

میں بُلاتا تو ہوں اُس کو اے مگر، جذبۂ دل
اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بِن آئے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے، تو چھپائے نہ بنے

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردا چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اُٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ بنے
تم کو چاہوں کہ تم آؤ تو بُلائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اُٹھائے نہ اُٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

(غالبؔ)

○

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر، وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے وہ شکائتیں وہ مزے مزے کی حکائتیں
وہ ہر ایک بات پہ رُوٹھنا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی بیٹھے سب میں جو رُو برو، تو اشارتوں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کوئی بات ایسی اگر ہُوئی کہ تمھارے جی کو بُری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھُولنا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم کو تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

سنو، ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا اک آپ نے وعدہ تھا
سو نباہنے کا تو ذکر کیا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد نہ ہو

وہ بگڑنا وصل کی رات کا، وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آن ادا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنِ مُبتلا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

(مومن)

○

ناوکِ انداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے
نیم بسمل کئی ہوں گے، کئی بے جاں ہوں گے

تابِ نظارہ نہیں، آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر، جو حیراں ہوں گے

تُو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہوں گے

ایک ہم ہیں کہ ہُوے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہوں گے

منتِ حضرتِ عیسیٰ نہ اُٹھائیں گے کبھی
زندگی کے لیے شرمندۂ احساں ہوں گے

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہو گی
پھر وہی پاؤں، وہی خارِ مغیلاں ہوں گے

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومنؔ
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

(مومنؔ)

○

اثر اُس پر ذرا نہیں ہوتا
رنج، راحت فزا نہیں ہوتا

تم ہمارے کسی طرح نہ ہُوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

نارسائی سے دم رُکے تو رُکے
میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

حالِ دل یار کو لکھوں کیوں کر!
ہاتھ دل سے جُدا نہیں ہوتا

چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

کیوں سُنے عرضِ مضطر اے مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

(مومنؔ)

○

لائی حیات، آئے، قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

کم ہوں گے اس بساط پہ ہم جیسے بد قمار
جو چال ہم چلے سو نہایت بری چلے

ہو عمرِ خضر بھی تو کہیں گے بوقتِ مرگ
ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے

نازاں نہ ہو خرد پہ جو ہونا ہو، وہ ہی ہو
دانش تری نہ کچھ مری دانشوری چلے

دنیا نے کس کا راہِ فنا میں دیا ہے ساتھ
تم بھی چلے چلو یونہی جب تک چلی چلے

جاتے ہوائے شوق میں ہیں اس چمن سے ذوقؔ
اپنی بلا سے بادِ صبا اب کبھی چلے

(ذوقؔ)

○

لگتا نہیں ہے جی مرا اُجڑے دیار میں
کس کی بنی ہے عالمِ ناپائیدار میں

کہہ دو یہ حسرتوں سے کہیں اور جا بسیں
اتنی جگہ کہاں ہے دلِ داغدار میں

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

کانٹوں کو مت نکال چمن سے کہ باغباں
یہ بھی گلوں کے ساتھ پلے ہیں بہار میں

کتنا ہے بدنصیب ظفرؔ دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

(بہادر شاہ ظفرؔ)

○

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

لے گیا چھین کے کون آج ترا صبر و قرار
بے قراری تجھے اے دل، کبھی ایسی تو نہ تھی

تیری آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو
کہ طبیعت مری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی

عکسِ رخسار نے کس کے ہے تجھے چمکایا
تاب تجھ میں مہِ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی

کیا سبب تُو جو بگڑتا ہے ظفرؔ سے ہر بار
خُو تری حور شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی

○

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں

مرا رنگ روپ بگڑ گیا، مرا یار مجھ سے بچھڑ گیا
جو چمن خزاں سے اجڑ گیا میں اسی کی فصلِ بہار ہوں

پئے فاتحہ کوئی آئے کیوں، کوئی چار پھول چڑھائے کیوں
کوئی آکے شمع جلائے کیوں میں وہ بے کسی کا مزار ہوں

میں نہیں ہوں نغمۂ جانفزا مجھے سن کے کوئی کرے گا کیا
میں بڑے بروگ کی ہوں صدا میں بڑے دکھی کی پکار ہوں

(بہادر شاہ ظفر)

○

یہ آرزو تھی، تجھے گُل کے رُو برو کرتے
ہم اور بلبلِ بے تاب گفتگو کرتے

پیام بر نہ میسّر ہُوا، تو خوب ہُوا
زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے

مری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ
کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے

جو دیکھتے تری زنجیرِ زلف کا عالم
اسیر ہونے کی آزاد آرزو کرتے

نہ پوچھ عالمِ برگشتہ طالعیِ آتشؔ،
برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے

(آتشؔ)

○

جب سے بلبل تُو نے دو تنکے لیے
ٹوٹتی ہیں بجلیاں اِن کے لیے

ہے جوانی خود جوانی کا سنگھار
سادگی گہنا ہے اس سِن کے لیے

کون ویرانے میں دیکھے گا بہار
پھول جنگل میں کھلے کِن کے لیے

ساری دنیا کے ہیں وہ میرے سوا
میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لیے

باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھیجنی ہیں ایک کم سن کے لیے

وصل کا دن اور اتنا مختصر
دن گنے جاتے تھے اس دن کے لیے

صبح کا سونا جو ہاتھ آتا امیر
بھیجتے تحفہ مؤذن کے لیے

(امیر مینائی)

○

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

ہیں دورِ جامِ اوّلِ شب میں خودی سے دور
ہوتی ہے آج دیکھیے ہم کو سحر کہاں

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذّتِ زخمِ جگر کہاں

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تُو مگر کہاں

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو دعا میں اثر کہاں

حالیؔ نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح، رہے رات بھر کہاں

(حالیؔ)

○

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
ڈاکہ تو نہیں مارا چوری تو نہیں کی ہے

نا تجربہ کاری سے واعظ کی یہ باتیں ہیں
اس رنگ کو کیا جانے، پوچھو تو کبھی پی ہے؟

اُس مے سے نہیں مطلب دل جس سے ہے بیگانہ
مقصود ہے اُس مے سے دل ہی میں جو کھنچتی ہے

ہر ذرّہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے
ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہیں تو خدا بھی ہے

سورج میں لگے دھبّہ فطرت کے کرشمے ہیں
بُت ہم کو کہیں کافر اللہ کی مرضی ہے

(اکبر الہ آبادی)

○

غمزہ نہیں ہوتا کہ اشارہ نہیں ہوتا
آنکھ ان سے جو ملتی ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا

جلوہ نہ ہو معنی کا تو صورت کا اثر کیا
بلبل گلِ تصویر کا شیدا نہیں ہوتا

اللہ بچائے مرضِ عشق سے دل کو!
سنتے ہیں کہ یہ عارضہ اچھا نہیں ہوتا

تشبیہ ترے چہرے کو کیا دوں گلِ تر سے
ہوتا ہے شگفتہ مگر اتنا نہیں ہوتا

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

(اکبر الہ آبادی)

○

اوّلِ شب وہ بزم کی رونق شمع بھی تھی پروانہ بھی
رات کے آخر ہوتے ہوتے ختم تھا یہ افسانہ بھی

ہاتھ سے کس نے ساغر پٹکا موسم کی بے کیفی پر
اتنا برسا ٹوٹ کے بادل ڈوب چلا میخانہ بھی

ایک لگی کے دو ہیں اثر اور دونوں حسبِ مراتب ہیں
لو جو لگائے شمع کھڑی ہے رقص میں ہے پروانہ بھی

حسن و عشق کی لاگ میں اکثر چھیڑ اُدھر سے ہوتی ہے
شمع کا شعلہ جب لہرایا اُڑ کے چلا پروانہ بھی

دورِ مسرت آرزو اپنا کیسا زلزلہ آگیں تھا
ہاتھ سے منہ تک آتے آتے چھوٹ پڑا پیمانہ بھی

(آرزو لکھنوی)

○

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

جینا وہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیری آرزو
باقی ہے موت ہی دلِ بے مدّعا کے بعد

تجھ سے مقابلے کی کسے تاب ہے و لے
میرا لہو بھی خوب ہے تیری جفا کے بعد

لذّت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں
آتا ہے لطفِ جرمِ تمنّا سزا کے بعد

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اِسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

(محمد علی جوہر)

○

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

ستم ہو کہ ہو وعدۂ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں

یہ جنّت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں

ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سُنا چاہتا ہوں

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہلِ محفل
چراغِ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

(علامہ اقبال)

○

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

تُو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئنہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئنہ ساز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی، تو کہاں ملی
مرے جُرمِ خانہ خراب کو، ترے عفوِ بندہ نواز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

(علامہ اقبال)

JAMIA HAMDARD LIBRARY New Delhi
MALHOTRA COLLECTION

○

تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب گہِ محبّت، وہ نگہ کا تازیانہ

یہ بتانِ عصرِ حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ، نہ تراشِ آذرانہ

نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشۂ فراغت
یہ جہاں عجب جہاں ہے، نہ قفس، نہ آشیانہ

مرے ہمصفیر اسے بھی اثرِ بہار سمجھے
انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ

مرے خاک و خوں سے تُو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا
صلہ شہید کیا ہے؟ تب و تابِ جاودانہ

تری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

(علامہ اقبال)

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

بار بار اُٹھنا اُسی جانب نگاہِ شوق کا
اور ترا غرفے سے وہ آنکھیں لڑانا یاد ہے

تجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بے باک ہو جانا ترا
اور ترا دانتوں میں وہ انگلی دبانا یاد ہے

کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونا، دفعتاً
اور دوپٹے سے ترا وہ منہ چھپانا یاد ہے

غیر کی نظروں سے بچ کر سب کی مرضی کے خلاف
وہ ترا چوری چھپے راتوں کو آنا یاد ہے

آ گیا گر وصل کی شب بھی کہیں ذکرِ فراق
وہ ترا رو رو کے مجھ کو بھی رُلانا یاد ہے

دوپہر کی دھوپ میں میرے بلانے کے لیے
وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پاؤں آنا یاد ہے

باوجودِ ادّعائے اِتّقا حسرتؔ مجھے
آج تک عہدِ ہوس کا وہ فسانہ یاد ہے

(حسرتؔ موہانی)

○

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

ترے ستم سے میں خوش ہوں کہ غالباً یوں بھی
مجھے وہ شاملِ اربابِ امتیاز کرے

غمِ جہاں سے جسے ہو فروغ کی خواہش
وہ اُن کے دردِ محبت سے ساز باز کرے

ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرتؔ
اب آگے تیری خوشی جو سرفراز کرے

(حسرت موہانی)

○

دل میں کسی کے راہ کیے جا رہا ہوں میں
کتنا حسیں گناہ کیے جا رہا ہوں میں

مجھ سے لگے ہیں عشق کی عظمت کو چار چاند
خود حسن کو گواہ کیے جا رہا ہوں میں

معصومیٔ جمال کو بھی جن پہ رشک ہے
ایسے بھی کچھ گناہ کیے جا رہا ہوں میں

تنقیدِ حسن مصلحتِ خاص عشق ہے
یہ جرم گاہ گاہ کیے جا رہا ہوں میں

اُٹھتی نہیں ہے آنکھ مگر اُس کے رُو برو
نادیدہ اک نگاہ کیے جا رہا ہوں میں

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کیے جا رہا ہوں میں

یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر
جیسے کوئی گناہ کیے جا رہا ہوں میں

مجھ سے ادا ہُوا ہے جگر جستجو کا حق
ہر ذرّے کو گواہ کیے جا رہا ہوں میں

(جگر مراد آبادی)

○

ہجر کی شب نالۂ دل وہ صدا دینے لگے
سننے والے رات کٹنے کی دعا دینے لگے

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہَوا دینے لگے

مٹھّیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقتِ دفن
زندگی بھر کی محبّت کا صلا دینے لگے

آئینہ ہو جائے میرا عشق اُن کے حُسن کا
کیا مزا ہو درد اگر خود ہی دوا دینے لگے

سینۂ سوزاں میں ثاقبؔ گھٹ رہا ہے وہ دُھواں
اُف کروں تو آگ کی دنیا ہوا دینے لگے

(ثاقبؔ لکھنوی)

○

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اُٹھا کے ہاتھ
دیکھا مجھے تو چھوڑ دیے مسکرا کے ہاتھ

بے ساختہ نگاہیں جو آپس میں مل گئیں
کیا منہ پہ اُس نے رکھ لیے آنکھیں چرا کے ہاتھ

یہ بھی نیا ستم ہے حنا تو لگائیں غیر
اور اس کی داد چاہیں وہ مجھ کو دکھا کے ہاتھ

بے اختیار ہو کے جو میں پاؤں پر گرا
ٹھوڑی کے نیچے اُس نے دھرا مسکرا کے ہاتھ

قاصد، ترے بیاں سے دل ایسا ٹھہر گیا
گویا کسی نے رکھ دیا سینے پہ آ کے ہاتھ

دیکھا جو کچھ رُکا مجھے، تو کس تپاک سے
گردن میں میری ڈال دیے آپ آ کے ہاتھ

کوچہ سے تیرے اُٹھیں تو پھر جائیں ہم کہاں
بیٹھے ہیں یاں تو دونوں جہاں سے اُٹھا کے ہاتھ

دینا وہ اُس کا ساغرِ مے یاد ہے نظام
منہ پھیر کر اُدھر کو ادھر کو بڑھا کے ہاتھ

(نظام رامپوری)

○

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

نہیں مرتے ہیں تو ایذا نہیں جھیلی جاتی
اور مرتے ہیں تو پیماں شکنی ہوتی ہے

دن کو اک نور برستا ہے مری تُربت پر
رات کو چادرِ مہتاب تنی ہوتی ہے

لٹ گیا وہ ترے کوچے میں رکھا جس نے قدم
اس طرح کی بھی کہیں راہزنی ہوتی ہے

ہُوک اُٹھتی ہے اگر ضبطِ فغاں کرتا ہوں
سانس رکتی ہے تو برچھی کی اَنی ہوتی ہے

پی لو دو گھونٹ کہ ساقی کی رہے بات حفیظؔ
صاف انکار میں خاطر شکنی ہوتی ہے

(حفیظؔ جونپوری)

○

سوزِ غم دے کے مجھے اُس نے یہ ارشاد کیا
جا تجھے کشمکشِ دہر سے آزاد کیا

وہ کریں بھی تو کن الفاظ میں تیرا شکوہ
جن کو تیری نگہِ لطف نے برباد کیا

دل کو چوٹوں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا
جب چلی سرد ہوا میں نے تجھے یاد کیا

اب میں سو جان سے اس طرزِ تکلّم کے نثار
پھر تو فرمائیے کیا آپ نے ارشاد کیا

اس کا رونا نہیں کیوں تم نے کیا دل برباد
اس کا غم ہے کہ بہت دیر میں برباد کیا

اتنا مانوس ہوں فطرت سے کلی جب چٹکی
جھک کے میں نے یہ کہا مجھ سے کچھ ارشاد کیا

مجھ کو تو ہوش نہیں تم کو خبر ہو شاید
لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا

(جوش ملیح آبادی)

○

گلوں میں رنگ بھرے، بادِ نو بہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے

قفس اداس ہے، یارو، صبا سے کچھ تو کہو
کہیں تو بہرِ خدا آج ذکرِ یار چلے

کبھی تو صبح ترے کنجِ لب سے ہو آغاز
کبھی تو شب سرِ کاکل سے مشکبار چلے

بڑا ہے درد کا رشتہ، یہ دل غریب سہی
تمھارے نام پہ آئیں گے غمگسار چلے

جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شبِ ہجراں
ہمارے اشک تری عاقبت سنوار چلے

حضورِ یار ہوئی دفترِ جنوں کی طلب
گرہ میں لے کے گریباں کا تار تار چلے

مقامِ فیضؔ کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

(فیض احمد فیض)

○

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے
وہ جا رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے

ویراں ہے میکدہ، خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ رُوٹھ گئے دن بہار کے

اِک فرصتِ گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دل فریب ہیں غم روزگار کے

بھولے سے مسکرا تو دیے تھے وہ آج فیض
مت پوچھ ولولے دلِ ناکردہ کار کے

نہ گنواؤ ناوکِ نیم کش، دلِ ریزہ ریزہ گنوا دیا
جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو، تنِ داغ داغ لُٹا دیا

مرے چارہ گر کو نوید ہو، صفِ دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر، وہ حساب آج چکا دیا

کرو کج جبیں پہ سرِ کفن، مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرورِ عشق کا بانکپن، پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا

اُدھر ایک حرف کہ کشتنی، یہاں لاکھ عذر تھا گفتنی
جو کہا تو سُن کے اُڑا دیا، جو لکھا تو پڑھ کے مٹا دیا

جو رُکے تو کوہِ گراں تھے ہم، جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہِ یار، ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

(فیض احمد فیض)

○

آئے کچھ اَبر، کچھ شراب آئے
اس کے بعد آئے جو عذاب آئے

بامِ مینا سے ماہتاب اُترے
دستِ ساقی میں آفتاب آئے

ہر رگِ خوں میں پھر چراغاں ہو
سامنے پھر وہ بے نقاب آئے

عمر کے ہر ورق پہ دل کی نظر
تیری مہر و وفا کے باب آئے

کر رہا تھا غمِ جہاں کا حساب
آج تم یاد بے حساب آئے

نہ گئی تیرے غم کی سرداری
دل میں یوں روز انقلاب آئے

فیضؔ تھی راہ سر بسر منزل
ہم جہاں پہنچے کامیاب آئے

(فیض احمد فیضؔ)

○

سو بار چمن مہکا، سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق دل کی وہی تنہائی

اک لحظہ بہے آنسو، اک لحظہ ہنسی آئی
سیکھے ہیں نئے دل نے اندازِ شکیبائی

جلووں کے تمنائی جلووں کو ترستے ہیں
تسکین کو روئیں گے جلووں کے تمنائی

دیکھے ہیں بہت ہم نے ہنگامے محبت کے
آغاز بھی رسوائی، انجام بھی رسوائی

یہ بزمِ محبت ہے اس بزمِ محبت میں
دیوانے بھی شیدائی فرزانے بھی شیدائی

(صوفی غلام مصطفےٰ تبسم)

○

یہ کیا کہ اک جہاں کو کرو وقفِ اضطراب
یہ کیا کہ ایک دل کو شکیبا نہ کر سکو

ایسا نہ ہو یہ درد بنے دردِ لا دوا
ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

شاید تمھیں بھی چین نہ آئے مرے بغیر
شاید یہ بات تم بھی گوارا نہ کر سکو

کیا جانے پھر ستم بھی میسّر ہو یا نہ ہو
کیا جانے یہ کرم بھی کرو یا نہ کر سکو

اللہ کرے جہاں کو میری یاد بھول جائے
اللہ کرے کہ تم کبھی ایسا نہ کر سکو

میرے سوا کسی کی نہ ہو تم کو جستجو!
میرے سوا کسی کی تمنا نہ کر سکو

(صوفی تبسم)

○

محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے
تری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے

میں اکثر سوچتا ہوں پھول کب تک
شریکِ گریۂ شبنم نہ ہوں گے

ذرا دیر آشنا چشمِ کرم ہے
ستم ہی عشق میں پیہم نہ ہوں گے

دلوں کی اُلجھنیں بڑھتی رہیں گی
اگر کچھ مشورے باہم نہ ہوں گے

زمانے بھر کے غم یا اک ترا غم
یہ غم ہوگا تو کتنے غم نہ ہوں گے

اگر تو اتفاقاً مل بھی جائے
تری فرقت کے صدمے کم نہ ہوں گے

حفیظؔ اُن سے میں جتنا بد گماں ہوں
وہ مجھ سے اس قدر برہم نہ ہوں گے

(حفیظ ہوشیارپوری)

○

یارب غمِ ہجراں میں، اتنا تو کیا ہوتا
جو ہاتھ جگر پر ہے، وہ دستِ دعا ہوتا

اک عشق کا غم آفت اور اس پہ یہ دل آفت
یا غم نہ دیا ہوتا، یا دل نہ دیا ہوتا

ناکامِ تمنّا دل، اس سوچ میں رہتا ہے
یوں ہوتا تو کیا ہوتا، یوں ہوتا تو کیا ہوتا

اُمید تو بندھ جاتی، تسکین تو ہو جاتی
وعدہ نہ وفا کرتے، وعدہ تو کیا ہوتا

غیروں سے کہا تم نے، غیروں سے سُنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا، کچھ ہم سے سُنا ہوتا

(چراغ حسن حسرت)

○

آؤ حُسنِ یار کی باتیں کریں
زلف کی، رخسار کی باتیں کریں

زلفِ عنبر بار کے قصے سُنائیں
طرّۂ طرّار کی باتیں کریں

پھول برسائیں بساطِ عیش پر
روزِ وصلِ یار کی باتیں کریں

نقدِ جاں لے کر چلیں اُس بزم میں
مصر کے بازار کی باتیں کریں

ان کے کوچے میں جو گزری ہے کہیں
سایۂ دیوار کی باتیں کریں

آخری ساعت شبِ رخصت کی ہے
آؤ اب تو پیار کی باتیں کریں

(چراغ حسن حسرت)

○

مرنے کی دعائیں کیوں مانگوں جینے کی تمنا کون کرے
یہ دنیا ہو یا وہ دنیا اب خواہشِ دنیا کون کرے

جب کشتی ثابت و سالم تھی ساحل کی تمنا کس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے

جو آگ تھی تم نے اس کو تو بجھایا اشکوں نے
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اُس آگ کو ٹھنڈا کون کرے

دنیا نے ہمیں چھوڑا جذبی ہم چھوڑ نہ دیں کیوں دُنیا کو
دنیا کو سمجھ کر بیٹھے ہیں اب دنیا دنیا کون کرے

(معین احسن جذبی)

○

گل ترا رنگ چرا لائے ہیں گلزاروں میں
جل رہا ہوں بھری برسات کی بوچھاروں میں

مجھ سے کترا کے نکل جا، مگر اے جانِ حیا
دل کی لَو دیکھ رہا ہوں ترے رخساروں میں

حسن بیگانۂ احساسِ جمال اچھا ہے
غنچے کھلتے ہیں تو بک جاتے ہیں بازاروں میں

ذکر کرتے ہیں ترا مجھ سے بعنوانِ جفا
چارہ گر پھول پرو لائے ہیں تلواروں میں

زخم چھپ سکتے ہیں لیکن مجھے فن کی سوگند
غم کی دولت بھی ہے شامل مرے شہکاروں میں

مجھ کو نفرت سے نہیں، پیار سے مصلوب کرو
میں تو شامل ہوں محبت کے گنہگاروں میں

(احمد ندیم قاسمی)

○

شام کو صبحِ چمن یاد آئی
کس کی خوشبوئے بدن یاد آئی

جب خیالوں میں کوئی موڑ آیا
تیرے گیسو کی شکن یاد آئی

یاد آئے ترے پیکر کے خطوط
اپنی کوتاہیٔ فن یاد آئی

چاند جب دُور افق پر ڈوبا
تیرے لہجے کی تھکن یاد آئی

دن شعاعوں سے اُلجھتے گزرا
رات آئی تو کرن یاد آئی

(احمد ندیم قاسمی)

○

محبت ترک کی میں نے، گریباں سی لیا میں نے
زمانے اب تو خوش ہو، زہر یہ بھی پی لیا میں نے

ابھی زندہ ہوں لیکن سوچتا رہتا ہوں خلوت میں
کہ اب تک کس تمنا کے سہارے جی لیا میں نے

انھیں اپنا نہیں سکتا مگر اتنا بھی کیا کم ہے
کہ کچھ مدت حسیں خوابوں میں کھو کر جی لیا میں نے

بس اب تو دامن دل چھوڑ دو بے کار امیدو
بہت دکھ سہہ لیے میں نے بہت دن جی لیا میں نے

(ساحر لدھیانوی)

○

مری داستانِ حسرت وہ سنا سنا کے روئے
مرے آزمانے والے، مجھے آزما کے روئے

کوئی ایسا اہلِ دل ہو کہ فسانۂ محبت
میں اسے سنا کے روؤں، وہ مجھے سنا کے روئے

مری آرزو کی دنیا، دلِ ناتواں کی حسرت
جسے کھو کے شادماں تھے اُسے آج پا کے روئے

تری بے وفائیوں پر، تری کج ادائیوں پر
کبھی سر جھکا کے روئے کبھی منہ چھپا کے روئے

جو سنائی انجمن میں شبِ غم کی آپ بیتی
کئی رو کے مسکرائے، کئی مسکرا کے روئے

(سیف الدین سیف)

○

گرمیِ حسرتِ ناکام سے جل جاتے ہیں
ہم چراغوں کی طرح شام سے جل جاتے ہیں

شمع جس آگ میں جلتی ہے نمائش کے لیے
ہم اسی آگ میں گمنام سے جل جاتے ہیں

خود نمائی تو نہیں شیوۂ اربابِ وفا
جن کو جلنا ہو وہ آرام سے جل جاتے ہیں

ربطِ باہم پہ ہمیں کیا نہ کہیں گے دشمن
آشنا جب ترے پیغام سے جل جاتے ہیں

جب بھی آتا ہے مرا نام ترے نام کے ساتھ
جانے کیوں لوگ مرے نام سے جل جاتے ہیں

(قتیلؔ شفائی)

○

مری زندگی ہے ظالم، ترے غم سے آشکارا
ترا غم ہے درحقیقت مجھے زندگی سے پیارا

وہ اگر بُرا نہ مانیں، تو جہانِ رنگ و بُو میں
میں سکونِ دل کی خاطر کوئی ڈھونڈ لوں سہارا

مجھے آ گیا یقیں سا کہ یہی ہے میری منزل
سرِ راہ جب کسی نے مجھے دفعتاً پکارا

میں بتاؤں فرق ناصح، جو ہے مجھ میں اور تجھ میں
مری زندگی تلاطم، تری زندگی کنارا

مجھے گفتگو سے بڑھ کر غمِ اذنِ گفتگو ہے
وہی بات پوچھتے ہیں، جو نہ کہہ سکوں دوبارا

کوئی اے شکیلؔ دیکھے، یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اُسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

(شکیلؔ بدایونی)

○

وہ باتیں تری وہ فسانے ترے
شگفتہ شگفتہ بہانے ترے

بس اک داغِ سجدہ مری کائنات
جبینیں تری آستانے ترے

بس اک زخمِ نظّارہ حِصّہ مرا
بہاریں تری آشیانے ترے

فقیروں کا جمگھٹ گھڑی دو گھڑی
شرابیں تری بادہ خانے ترے

ضمیرِ صدف میں کرن کا مقام
انوکھے انوکھے ٹھکانے ترے

بہار و خزاں کم نگاہوں کے وہم
بُرے یا بھلے سب زمانے ترے

عدمؔ بھی ترا ہے حکایت کدہ
کہاں تک گئے ہیں فسانے ترے

عبدالحمید عدمؔ

○

گئے دنوں کا سراغ لے کر، کدھر سے آیا کدھر گیا وہ
عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ

بس ایک موتی سی چھب دکھا کر، بس ایک میٹھی سی دھن سنا کر
ستارۂ شام بن کے آیا، برنگِ خوابِ سحر گیا وہ

خوشی کی رُت ہو کہ غم کا موسم نظر اُسے ڈھونڈتی ہے ہردم
وہ بُوئے گل تھا کہ نغمۂ جاں، مرے تو دل میں اُتر گیا وہ

نہ اب وہ یادوں کا چڑھتا دریا، نہ فرصتوں کی اُداس برکھا
یونہی ذرا سی کسک ہے دل میں، جو زخم گہرا تھا بھر گیا وہ

کچھ اب سنبھلنے لگی ہے جاں بھی، بدل چلا رنگِ آسماں بھی
جو رات بھاری تھی ٹل گئی ہے جو دن کڑا تھا گزر گیا وہ

شکستہ پا راہ میں کھڑا ہوں، گئے دنوں کو بُلا رہا ہوں
جو قافلہ میرا ہم سفر تھا، مثالِ گردِ سفر گیا وہ

وہ میکدے کو جگانے والا، وہ رات کی نیند اڑانے والا
یہ آج کیا اُس کے جی میں آئی کہ شام ہوتے ہی گھر گیا وہ

وہ جس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر سفر کیا تُو نے منزلوں کا
تری گلی سے، نہ جانے کیوں، آج سر جھکائے گزر گیا وہ

وہ ہجر کی رات کا ستارہ، وہ ہم نفس، ہم سخن ہمارا
سدا رہے اُس کا نام پیارا، سنا ہے کل رات مر گیا وہ

وہ رات کا بے نوا مسافر، وہ تیرا شاعر، وہ تیرا ناصرؔ
تری گلی تک تو ہم نے دیکھا تھا، پھر نہ جانے کدھر گیا وہ

ناصر کاظمی

○

کچھ یادگارِ شہرِ ستمگر ہی لے چلیں
آئے ہیں اس گلی میں تو پتھر ہی لے چلیں

یوں کس طرح کٹے گا کڑی دھوپ کا سفر
سر پر خیالِ یار کی چادر ہی لے چلیں

رنجِ سفر کی کوئی نشانی تو پاس ہو
تھوڑی سی خاکِ کوچۂ دلبر ہی لے چلیں

یہ کہہ کے چھیڑتی ہے ہمیں دل گرفتگی
گھبرا گئے ہیں آپ تو باہر ہی لے چلیں

اس شہرِ بے چراغ میں جائے گی تو کہاں
آ اے شبِ فراق، تجھے گھر ہی لے چلیں

(ناصر کاظمی)

○

دل میں اک لہر سی اُٹھی ہے ابھی
کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی

شور برپا ہے خانۂ دل میں
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی

کچھ تو نازک مزاج ہیں ہم بھی
اور یہ چوٹ بھی نئی ہے ابھی

جی جلانے دے ہم نفس کہ مجھے
فرصتِ نالۂ شبی ہے ابھی

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

تو شریکِ سخن نہیں ہے تو کیا
ہم سخن تیری خامشی ہے ابھی

یاد کے بے نشاں جزیروں سے
تیری آواز آ رہی ہے ابھی

شہر کی بے چراغ گلیوں میں
زندگی تجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی

سو گئے لوگ اُس حویلی کے
ایک کھڑکی مگر کھُلی ہے ابھی

تم تو یارو، ابھی سے اُٹھ بیٹھے
شہر میں رات جاگتی ہے ابھی

وقت اچھا بھی آئے گا ناصرؔ
غم نہ کر، زندگی پڑی ہے ابھی

(ناصر کاظمی)

○

روش روش پہ ہیں نکہت فشاں گلاب کے پھول
حسیں گلاب کے پھول ارغواں گلاب کے پھول

افق افق پہ زمانوں کی دُھند سے اُبھرے
طیور، نغمے، ندی، تتلیاں، گلاب کے پھول

کس انہماک سے بیٹھی کشید کرتی ہے
عروسِ گل بہ قبائے جہاں، گلاب کے پھول

جہانِ گریۂ شبنم سے کس غرور کے ساتھ
گزر رہے ہیں تبسّم کناں گلاب کے پھول

یہ میرا دامنِ صد چاک، یہ ردائے بہار
یہاں شراب کے چھینٹے وہاں گلاب کے پھول

کسی کا پھول سا چہرہ اور اس پہ رنگ افروز
گندھے ہوئے بہ خمِ گیسواں گلاب کے پھول

خیالِ یار ترے سلسلے، نشوں کی رُتیں
جمالِ یار تری جھلکیاں گلاب کے پھول

مری نگاہ میں دورِ زماں کی ہر کروٹ
لہو کی نہر، دلوں کا دھواں گلاب کے پھول

چٹکتے جاتے ہیں چپ چاپ ہنستے جاتے ہیں
مثالِ چہرۂ پیغمبراں گلاب کے پھول

کٹی ہے عمر بہاروں کے سوگ میں امجد
مری لحد پہ کھلیں جاوداں گلاب کے پھول

(مجید امجد)

○

بے چین بہت پھرنا، گھبرائے ہوئے رہنا
اِک آگ سی جذبوں کی دہکائے ہوئے رہنا

چھلکائے ہوئے پھرنا خوشبو لبِ لعلیں کی
اِک باغ سا ساتھ اپنے مہکائے ہوئے رہنا

اک شام سی کر رکھنا کاجل کے کرشمے سے
اِک چاند سا آنکھوں میں چمکائے ہوئے رہنا

عادت ہی بنا لی ہے تم نے تو منیرؔ اپنی
جس شہر میں بھی رہنا اُکتائے ہوئے رہنا

○

اشکِ رواں کی نہر ہے اور ہم ہیں دوستو
اُس بے وفا کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو

یہ اجنبی سی منزلیں اور رفتگاں کی یاد
تنہائیوں کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو

لائی ہے اب اُڑا کے گئے موسموں کی باس
برکھا کی رُت کا قہر ہے اور ہم ہیں دوستو

پھرتے ہیں مثلِ موجِ ہوا شہر شہر میں
آوارگی کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو

شامِ الم ڈھلی تو چلی درد کی ہوا
راتوں کا پچھلا پہر ہے اور ہم ہیں دوستو

آنکھوں میں اُڑ رہی ہے لُٹی محفلوں کی دُھول
عبرت سرائے دہر ہے اور ہم ہیں دوستو

منیر نیازی

○

یہاں کسی کو بھی کچھ حسبِ آرزو نہ ملا
کسی کو ہم نہ ملے اور ہم کو تُو نہ ملا

غزالِ اشک سرِ صبح دوبِ مژگاں پر
کب اپنی آنکھ کھُلی اور لہو لہو نہ ملا

چمکتے چاند بھی تھے شہرِ شب کے ایواں میں
نگارِ غم سا مگر کوئی شمع رو نہ ملا

انہی کی رمز چلی ہے گلی گلی میں یہاں
جنھیں ادھر سے کبھی اذنِ گفتگو نہ ملا

پھر آج میکدۂ دل سے لوٹ آئے ہیں
پھر آج ہم کو ٹھکانے کا ہم سبو نہ ملا

(ظفر اقبال)

○

جو شجر سوکھ گیا ہے وہ ہرا کیسے ہو
میں پیمبر تو نہیں میرا کہا کیسے ہو

دل کے ہر ذرّے پہ ہے نقش محبّت اس کی
نُور آنکھوں کا ہے آنکھوں سے جُدا کیسے ہو

جس کو جانا ہی نہیں اُس کو خدا کیوں مانیں
اور جسے جان چُکے ہیں وہ خدا کیسے ہو

عمر ساری تو اندھیرے میں نہیں کٹ سکتی
ہم اگر دل نہ جلائیں تو ضیا کیسے ہو

جس سے دو روز بھی کُھل کر نہ ملاقات ہوئی
مدّتوں بعد ملے بھی تو گلہ کیسے ہو

دُور سے دیکھ کے میں نے اُسے پہچان لیا
اُس نے اتنا بھی نہیں مجھ سے کہا "کیسے ہو!"

وہ بھی اک دَور تھا جب میں نے تجھے چاہا تھا
دل کا دروازہ ہے ہر وقت کُھلا کیسے ہو

جب کوئی دادِ وفا چاہنے والا نہ رہا
کون انصاف کرے حشر بپا کیسے ہو

آئینے میں بھی نظر آتی ہے صورت تیری
کوئی مقصودِ نظر تیرے سوا کیسے ہو

کن نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا ہوں شہزاؔد
مجھ کو معلوم نہیں اُس کو پتا کیسے ہو

(شہزاد احمد)

ح

اِس شہرِ خرابی میں غمِ عشق کے مارے
زندہ ہیں، یہی بات بڑی بات ہے پیارے

یہ ہنستا ہُوا چاند، یہ پُرنور ستارے
تابندہ و پائندہ ہیں ذرّوں کے سہارے

حسرت ہے کوئی غنچہ ہمیں پیار سے دیکھے
ارماں ہے کوئی پھول ہمیں دل سے پکارے

ہر صبح، مری صبح پہ روتی رہی شبنم
ہر رات مری رات پہ ہنستے رہے تارے

کچھ اور بھی ہیں کام ہمیں اے غمِ جاناں،
کب تک کوئی اُلجھی ہُوئی زلفوں کو سنوارے

(حبیب جالب)

○

کل چودھویں کی رات تھی، شب بھر رہا چرچا ترا
کچھ نے کہا یہ چاند ہے، کچھ نے کہا چہرہ ترا

ہم بھی وہیں موجود تھے، ہم سے بھی سب پوچھا کیے
ہم ہنس دیے، ہم چپ رہے، منظور تھا پردا ترا

اس شہر میں کس سے ملیں، ہم سے تو چھوٹیں محفلیں
ہر شخص تیرا نام لے، ہر شخص دیوانا ترا

کوچے کو تیرے چھوڑ کر جوگی ہی بن جائیں مگر
جنگل ترے، پربت ترے، بستی تری، صحرا ترا

تُو باوفا، تو مہرباں، ہم اور تجھ سے بدگماں
ہم نے تو پوچھا تھا ذرا، یہ وصف کیوں ٹھہرا ترا

ہم پر یہ سختی کی نظر، ہم ہیں فقیرِ رہگزر
رستہ کبھی روکا ترا، دامن کبھی تھاما ترا

ہاں ہاں تری صورت حسیں لیکن تُو اتنا بھی نہیں
اس شخص کے اشعار سے شہرہ ہُوا کیا کیا ترا

بے درد، سُننی ہو تو چل، کہتا ہے کیا اچھی غزل
عاشق ترا، رُسوا ترا، شاعر ترا، اِنشاؔ ترا

(ابنِ انشا)

○

انشا جی اٹھو اب کوچ کرو، اِس شہر میں جی کا لگانا کیا
وحشی کو سکوں سے کیا مطلب، جوگی کا نگر میں ٹھکانا کیا

پھر ہجر کی لمبی رات یہاں، سنجوگ کی تو بس ایک گھڑی
جو دل میں ہے لب پر آنے دو، شرمانا کیا، گھبرانا کیا

اس دل کے دریدہ دامن میں، دیکھو تو سہی، سوچو تو سہی
جس جھولی میں سو چھید ہوئے اس جھولی کا پھیلانا کیا

شب گزری، چاند بھی ڈوب گیا، زنجیر پڑی دروازے پر
کیوں دیر گئے گھر آئے ہو، سجنی سے کرو گے بہانا کیا

رہتے ہو جو ہم سے دُور بہت، مجبور رہو تم، مجبور بہت
ہم سمجھوں کا سمجھانا کیا، ہم بہلوں کا بہلانا کیا

جب شہر کے لوگ نہ رستہ دیں، کیوں بن میں نہ جا بسرام کرے
دیوانوں کی سی نہ بات کرے تو اور کرے دیوانہ کیا

(ابن انشا)

○

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سُوکھے ہُوئے پھول کتابوں میں ملیں

ڈھونڈ اُجڑے ہُوئے لوگوں میں وفا کے موتی
یہ خزانے تجھے ممکن ہے خرابوں میں ملیں

غمِ دنیا بھی غمِ یار میں شامل کرلو!
نشہ بڑھتا ہے شرابیں جو شرابوں میں ملیں

تو خدا ہے نہ مرا عشق فرشتوں جیسا
دونوں اِنساں ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں

آج ہم دار پہ کھینچے گئے جن باتوں پر
کیا عجب کل وہ زمانے کو نصابوں میں ملیں

اب نہ وہ ہیں نہ وہ تو ہے نہ وہ ماضی ہے فرازؔ
جیسے دو شخص تمنا کے سرابوں میں ملیں

(احمد فراز)

○

رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لیے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لیے آ

کچھ تو مرے پندارِ محبت کا بھرم رکھ
تو بھی تو کبھی مجھ کو منانے کے لیے آ

پہلے سے مراسم نہ سہی پھر بھی کبھی تو
رسم و رہِ دنیا ہی نبھانے کے لیے آ

کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم
تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لیے آ

اِک عمر سے ہوں لذّتِ گریہ سے بھی محروم
اے راحتِ جاں مجھ کو رُلانے کے لیے آ

اب تک دلِ خوش فہم کو تجھ سے ہیں امیدیں
یہ آخری شمعیں بھی بجھانے کے لیے آ

(احمد فراز)

○

تیری باتیں ہی سنانے آئے
دوست بھی دل ہی دکھانے آئے

پھول کھلتے ہیں تو ہم سوچتے ہیں
تیرے آنے کے زمانے آئے

ایسی کچھ چپ سی لگی ہے جیسے
ہم تجھے حال سنانے آئے

عشق تنہا ہے سرِ منزلِ غم
کون یہ بوجھ اُٹھانے آئے

اجنبی دوست ہمیں دیکھ کر ہم
کچھ تجھے یاد دلانے آئے

دل دھڑکتا ہے سفر کے ہنگام
کاش پھر کوئی بُلانے آئے

اب تو رونے سے بھی دل دکھتا ہے
شاید اب ہوش ٹھکانے آئے

کیا کہیں پھر کوئی بستی اُجڑی
لوگ کیوں جشن منانے آئے

سو رہو موت کے پہلو میں فرازؔ
نیند کس وقت نہ جانے آئے

(احمد فرازؔ)

کسی اور غم میں اتنی خلش نہاں نہیں ہے
غمِ دل مرے رفیقو، غمِ رائیگاں نہیں ہے

کوئی ہم نفس نہیں ہے، کوئی رازداں نہیں ہے
فقط ایک دل تھا اب تک سو وہ مہرباں نہیں ہے

مری روح کی حقیقت مرے آنسوؤں سے پوچھو
مرا مجلسی تبسم مرا ترجماں نہیں ہے

کسی آنکھ کو صدا دو، کسی زلف کو پکارو
بڑی دھوپ پڑ رہی ہے کوئی سائباں نہیں ہے

انہی پتھروں پہ چل کر اگر آ سکو تو آؤ!
مرے گھر کے راستے میں کہیں کہکشاں نہیں ہے

(مصطفیٰ زیدی)

○

گلے ملا نہ کبھی چاند، بخت ایسا تھا
ہرا بھرا بدن اپنا درخت ایسا تھا

ستارے سسکیاں بھرتے تھے اوس روتی تھی
فسانۂ جگرِ لخت لخت ایسا تھا

ذرا نہ موم ہوا پیار کی حرارت سے
چٹخ کے ٹوٹ گیا، دل کا سخت ایسا تھا

یہ اور بات کہ وہ لب تھے پھول سے نازک
کوئی نہ سہہ سکے، لہجہ کرخت ایسا تھا

کہاں کی سیر نہ کی توسنِ تخیّل پہ
ہمیں تو یہ بھی سلیماں کے تخت ایسا تھا

اِدھر سے گزرا تھا ملکِ سخن کا شہزادہ
کوئی نہ جان سکا، ساز و رخت ایسا تھا

(شکیب جلالی)

○

ہونٹوں پہ کبھی اُن کے مرا نام ہی آئے
آئے تو سہی، برسرِ الزام ہی آئے

حیران ہیں لب بستہ ہیں، دلگیر ہیں غنچے
خوشبو کی زبانی ترا پیغام ہی آئے

لمحاتِ مسرّت ہیں تصوّر سے گریزاں
یاد آئے ہیں جب بھی غم و آلام ہی آئے

تاروں سے سجالیں گے رہِ شہرِ تمنّا
مقدور نہیں صبح چلو شام ہی آئے

کیا راہ بدلنے کا گلہ ہم سفروں سے
جس رہ سے چلے تیرے در و بام ہی آئے

تھک ہار کے بیٹھے ہیں سرِ کوئے تمنّا
کام آئے تو پھر جذبۂ ناکام ہی آئے

باقی نہ رہے ساکھ اداؔ دشتِ جنوں کی
دل میں اگر اندیشۂ انجام ہی آئے

(اداؔ بدایونی)

○

وہ اجنبی تھا، غیر تھا، کس نے کہا نہ تھا
دل کو مگر یقین کسی پر ہُوا نہ تھا

ہم کو تو احتیاطِ غمِ دل عزیز تھی
کچھ اس لیے بھی کم نگہی کا گلہ نہ تھا

دستِ خیالِ یار سے پُھوٹے شفق کے رنگ
نقشِ قدم بھی رنگِ حنا کے سوا نہ تھا

کچھ اس قدر تھی گرمیٔ بازارِ آرزو!
دل جو خریدتا تھا اسے دیکھتا نہ تھا

کیسے کریں گے ذکرِ حبیبِ جفا پسند
جب تام دوستوں میں بھی لینا روا نہ تھا

کچھ یونہی زرد زرد سی ناہید آج تھی
کچھ اوڑھنی کا رنگ بھی کھلتا ہُوا نہ تھا

(کشور ناہید)

○

چراغِ طور جلاؤ، بڑا اندھیرا ہے
ذرا نقاب اُٹھاؤ بڑا اندھیرا ہے

وہ جن کے ہوتے ہیں خورشید آستینوں میں
انھیں کہیں سے بلاؤ بڑا اندھیرا ہے

مجھے خود اپنی نگاہوں پہ اعتماد نہیں
مرے قریب نہ آؤ بڑا اندھیرا ہے

فرازِ عرش سے ٹوٹا ہُوا کوئی تارا
کہیں سے ڈھونڈ کے لاؤ بڑا اندھیرا ہے

ابھی تو صبح کے ماتھے کا رنگ کالا ہے
ابھی فریب نہ کھاؤ بڑا اندھیرا ہے

جسے زبانِ خرد میں شراب کہتے ہیں
وہ روشنی سی پلاؤ بڑا اندھیرا ہے

بنامِ زہرہ جبینانِ خطۂ فردوس،
کسی کرن کو جگاؤ بڑا اندھیرا ہے

(ساغر صدیقی)

○

کیا بھلا مجھ کو پرکھنے کا نتیجہ نکلا
زخمِ دل آپ کی نظروں سے بھی گہرا نکلا

جب کبھی تجھ کو پکارا مری تنہائی نے
بُو اُڑی پھول سے، تصویر سے سایا نکلا

کوئی ملتا ہے تو اب اپنا پتہ پوچھتا ہے
میں تری کھوج میں تجھ سے بھی پرے جا نکلا

توڑ کر دیکھ لیا آئینۂ دل تُو نے
تیری صورت کے سوا اور بتا کیا نکلا

مجھ سے چھپتا ہی رہا تُو مجھے آنکھیں دے کر
میں ہی پردہ تھا، اُٹھا میں تو تماشا نکلا

نظر آیا تھا سرِ بامِ مظفرؔ کوئی
پہنچا دیوار کے نزدیک تو سایا نکلا

(مظفرؔ وارثی)

(۱)

گو ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے
لیکن اتنا تو ہُوا کچھ لوگ پہچانے گئے

میں اسے شہرت کہوں یا اپنی رسوائی کہوں
مجھ سے پہلے، اس گلی میں میرے افسانے گئے

یُوں تو وہ میری رگِ جاں سے بھی تھے نزدیک تر
آنسوؤں کی دُھند میں لیکن نہ پہچانے گئے

وحشتیں کچھ اس طرح اپنا مقدر ہو گئیں
ہم جہاں پہنچے، ہمارے ساتھ ویرانے گئے

اب بھی اُن یادوں کی خوشبو ذہن میں محفوظ ہے
بارہا ہم جن سے گلزاروں کو مہکانے گئے

کیا قیامت ہے کہ خاطرؔ کشتۂ شب بھی تھے ہم
صبح بھی آئی تو مجرم ہم ہی گردانے گئے

(خاطرؔ غزنوی)

○

ہر قدم پر نت نئے سانچے میں بدل جاتے ہیں لوگ
دیکھتے ہی دیکھتے کتنے بدل جاتے ہیں لوگ

کس لیے کیجے کسی گم گشتہ جنت کی تلاش
جب کہ مٹی کے کھلونوں سے بہل جاتے ہیں لوگ

کتنے سادہ دل ہیں اب بھی سُن کے آوازِ جرس
پیش و پس سے بے خبر گھر سے نکل جاتے ہیں لوگ

اپنے سائے سائے سر نہوڑائے آہستہ خرام
جانے کس منزل کی جانب آج کل جاتے ہیں لوگ

شمع کے مانند، اہلِ انجمن سے بے نیاز
اکثر اپنی آگ میں چپ چاپ جل جاتے ہیں لوگ

شاعرؔ اُن کی دوستی کا اب بھی دم بھرتے ہیں آپ
ٹھوکریں کھا کر تو سنتے ہیں سنبھل جاتے ہیں لوگ

(حمایت علی شاعرؔ)

○

وہ عشق جو ہم سے رُوٹھ گیا، اب اُس کا حال بتائیں کیا
کوئی مہر نہیں، کوئی قہر نہیں، پھر سچا شعر سُنائیں کیا

اِک ہجر جو ہم کو لاحق ہے، تا دیر اُسے دُہرائیں کیا
وہ زہر جو دل میں اُتار لیا، پھر اس کے ناز اُٹھائیں کیا

پھر آنکھیں لہو سے خالی ہیں، یہ شمعیں بُجھنے والی ہیں
ہم خود بھی کسی کے سوالی ہیں، اس بات پہ ہم شرمائیں کیا

اِک آگ غمِ تنہائی کی جو سارے بدن میں پھیل گئی
جب جسم ہی سارا جلتا ہو، پھر دامنِ دل کو بچائیں کیا

ہم نغمہ سرا کچھ غزلوں کے، ہم صورت گر کچھ خوابوں کے
بے جذبۂ شوق سُنائیں کیا، کوئی خواب نہ ہو تو بتائیں کیا

(اطہر نفیس)

○

مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کر دے
میں جس مکان میں رہتا ہوں اُس کو گھر کر دے

یہ روشنی کے تعاقب میں بھاگتا ہوا دن
جو تھک گیا ہے تو اب اس کو مختصر کر دے

میں زندگی کی دعا مانگنے لگا ہوں بہت
جو ہو سکے تو دعاؤں کو بے اثر کر دے

ستارۂ سحری ڈوبنے کو آیا ہے
ذرا کوئی مرے سورج کو باخبر کر دے

مری زمین، مرا آخری حوالہ ہے
سو میں رہوں نہ رہوں اس کو بارور کر دے

میں اپنے خواب سے کٹ کر جیوں تو میرا خدا
اجاڑ دے مری مٹی کو در بدر کر دے

(افتخار عارف)

○

یہ دل، یہ پاگل دل مرا، کیوں بجھ گیا آوارگی
اِس دشت میں اک شہر تھا، وہ کیا ہُوا آوارگی

کل شب مجھے بے شکل کی آواز نے چونکا دیا
میں نے کہا تُو کون ہے، اُس نے کہا آوارگی

لوگو بھلا اُس شہر میں کیسے جئیں گے ہم جہاں
ہو جرم تنہا سوچنا، لیکن سزا آوارگی

یہ درد کی تنہائیاں، یہ دشت کا ویراں سفر
ہم لوگ تو اُکتا گئے، اپنی سُنا آوارگی

اک اجنبی جھونکے نے جب پوچھا مرے غم کا سبب
صحرا کی بھیگی ریت پر میں نے لکھا آوارگی

اُس سمت وحشی خواہشوں کی زد میں پیمانِ وفا
اِس سمت لہروں کی دھمک کچا گھڑا آوارگی

کل رات تنہا چاند کو دیکھا تھا میں نے خواب میں
محسنؔ مجھے راس آئے گی شاید سدا آوارگی

(محسنؔ نقوی)

○

میرے لیے تو حرفِ دعا ہوگیا وہ شخص
سارے دکھوں کی جیسے دوا ہوگیا وہ شخص

میں آسماں پہ تھا تو زمیں کی کشش تھا وہ
اُترا زمین پر تو ہَوا ہوگیا وہ شخص

میں اُس کا ہاتھ دیکھ رہا تھا کہ دفعتاً
سمٹا سمٹ کے رنگِ حنا ہوگیا وہ شخص

پھرتا ہے لے کے آنکھ کا کشکول در بدر
دل کا بھرم لٹا تو گدا ہوگیا وہ شخص

یوں بھی نہیں کہ پاس ہے میرے وہ ہم نفس
یہ بھی غلط کہ مجھ سے جدا ہو گیا وہ شخص

پڑھنا تھا میں نماز سمجھ کر اُسے رشید
پھر یوں ہوا کہ مجھ سے قضا ہو گیا وہ شخص

رشید قیصرانی

○

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اُس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اُس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو مرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی

تیرا پہلو ترے دل کی طرح آباد رہے
تجھ پہ گزرے نہ قیامت شبِ تنہائی کی

اُس نے جلتی ہُوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا
روح تک آگئی تاثیر مسیحائی کی

اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی

(پروین شاکر)

○

وہ تو خوشبو ہے، ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے، پھول کدھر جائے گا

ہم تو سمجھے تھے کہ اک زخم ہے بھر جائے گا
کیا خبر تھی کہ رگِ جاں میں اُتر جائے گا

وہ ہواؤں کی طرح خانہ بجاں پھرتا ہے
ایک جھونکا ہے جو آئے گا گزر جائے گا

وہ جب آئے گا تو پھر اُس کی رفاقت کے لیے
موسمِ گل مرے آنگن میں ٹھہر جائے گا

آخرش وہ بھی کہیں ریت پہ بیٹھی ہوگی
تیرا یہ پیار بھی دریا ہے، اُتر جائے گا

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث
جرم یہ بھی مرے اجداد کے سر جائے گا

(پروین شاکر)

○

کسی کی آنکھ جو پُر نم نہیں ہے
نہ سمجھو یہ کہ اُس کو غم نہیں ہے

سوادِ درد میں تنہا کھڑا ہوں
پلٹ جاؤں مگر موسم نہیں ہے

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کسی کی!
اگرچہ گفتگو مبہم نہیں ہے

سُلگتا کیوں نہیں تاریک جنگل
طلب کی لو اگر مدّھم نہیں ہے

یہ بستی ہے ستم پروردگاں کی
یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے

کنارا دوسرا دریا کا جیسے
وہ ساتھی ہے مگر محرم نہیں ہے

دلوں کی روشنی بجھنے نہ دینا
وجودِ تیرگی محکم نہیں ہے

میں تم کو چاہ کر پچھتا رہا ہوں
کوئی اس زخم کا مرہم نہیں ہے

جو کوئی سن سکے امجد تو دنیا
بجز اک بازگشتِ غم نہیں ہے

(امجد اسلام امجد)

عزیز اتنا ہی رکھو کہ جی سنبھل جائے
اب اس قدر بھی نہ چاہو کہ دم نکل جائے

محبتوں میں عجب ہے دلوں کو دھڑکا سا
کہ جانے کون کہاں راستہ بدل جائے

زہے وہ دل جو تمنائے تازہ تر میں رہے
خوشا وہ عمر جو خوابوں ہی میں بہل جائے

میں وہ چراغِ سرِ رہگزارِ دنیا ہوں
جو اپنی ذات کی تنہائیوں میں جل جائے

ہر ایک لحظہ یہی آرزو، یہی حسرت
جو آگ دل میں ہے وہ شعر میں بھی ڈھل جائے

عبیداللہ علیم

○

بنا گلاب تو کانٹے چُبھا گیا اک شخص
ہوا چراغ تو گھر ہی جلا گیا اک شخص

تمام رنگ مرے اور سارے خواب مرے
فسانہ تھے کہ فسانہ بنا گیا اک شخص

میں کس ہوا میں اُڑوں، کس فضا میں لہراؤں
دُکھوں کے جال ہر اک سُو بچھا گیا اک شخص

پلٹ سکوں ہی نہ آگے ہی بڑھ سکوں جس پہ
مجھے یہ کون سے رستے لگا گیا اک شخص

محبتیں بھی عجب اُس کی نفرتیں بھی کمال
مری طرح کا ہی مجھ میں سما گیا اک شخص

وہ ماہتاب تھا، مرہم بدست آیا تھا
مگر کچھ اور سوا دل دکھا گیا اک شخص

کھلا یہ راز کہ آئینہ خانہ ہے دنیا
اور اس میں مجھ کو تماشا بنا گیا اک شخص

عبید اللہ علیم

○

یہ چراغ بے نظر ہے یہ ستارہ بے زباں ہے
ابھی تجھ سے ملتا جلتا کوئی دوسرا کہاں ہے

کبھی پا کے تجھ کو کھونا، کبھی کھو کے تجھ کو پانا
یہ جنم جنم کا رشتہ ترے میرے درمیاں ہے

مرے ساتھ چلنے والے تجھے کیا ملا سفر میں
وہی دکھ بھری زمیں ہے وہی غم کا آسماں ہے

میں اِسی گماں میں برسوں بڑا مطمئن رہا ہوں
ترا جسم بے تغیّر، مرا پیار جاوداں ہے

انھیں راستوں نے جن پر کبھی تم تھے ساتھ میرے
مجھے روک روک پوچھا ترا ہمسفر کہاں ہے

(بشیر بدر)

۸

ملبوس جب ہوا نے بدن سے چرا لیے
دوشیزگانِ صبح نے چہرے چھپا لیے

ہم نے تو اپنے جسم پہ زخموں کے آئنے
ہر حادثے کی یاد سمجھ کر سجا لیے

میزانِ عدل تیرا جھکاؤ ہے جس طرف
اُس سمت سے دلوں نے بڑے زخم کھا لیے

لوگوں کی چادروں پہ بناتی رہی وہ پھول
پیوند اُس نے اپنی قبا میں سجا لیے

دیوار کیا گری مرے کچّے مکان کی
لوگوں نے میرے صحن میں رستے بنا لیے

ہر حرملہ کے دوش پہ ترکش کو دیکھ کر
ماؤں نے اپنی گود میں بچے چھپا لیے

سبطِ علی صبا

میں خیال ہوں کسی اور کا مجھے سوچتا کوئی اور ہے
سرِ آئینہ مرا عکس ہے پسِ آئینہ کوئی اور ہے

میں کسی کے دستِ طلب میں ہوں تو کسی کے حرفِ دعا میں ہوں
میں نصیب ہوں کسی اور کا مجھے مانگتا کوئی اور ہے

مری روشنی ترے خد و خال سے مختلف تو نہیں مگر
تو قریب آ تجھے دیکھ لوں تو وہی ہے یا کوئی اور ہے

تجھے دشمنوں کی خبر نہ تھی، مجھے دوستوں کا پتہ نہیں
تری داستاں کوئی اور تھی مرا واقعہ کوئی اور ہے

(سلیم کوثر)

○

فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا

وہ کہ خوشبو کی طرح پھیلا تھا میرے چار سُو
میں اُسے محسوس کر سکتا تھا چھُو سکتا نہ تھا

رات بھر پچھلی سی آہٹ کان میں آتی رہی
جھانک کر دیکھا گلی میں کوئی بھی آیا نہ تھا

آج اُس نے درد بھی اپنے علیحدہ کر لیے
آج میں رویا تو میرے ساتھ وہ رویا نہ تھا

یہ سبھی ویرانیاں اسکے جُدا ہونے سے تھیں
آنکھ دھندلائی ہوئی تھی شہر دھندلایا نہ تھا

یاد کر کے اور بھی تکلیف ہوتی تھی عدمؔ
بھول جانے کے سوا اب کوئی بھی چارہ نہ تھا

(عدیم ہاشمی)

ترکِ تعلّقات پہ رویا نہ تُو نہ مَیں
لیکن یہ کیا کہ چین سے سویا نہ تُو نہ مَیں

حالات کے طلسم نے پتھرا دیا مگر
بیتے سموں کی یاد میں کھویا نہ تُو نہ مَیں

ہر چند اختلاف کے پہلو ہزار تھے
وا کر سکا مگر لبِ گویا نہ تُو نہ مَیں

نوحے فصیلِ ضبط سے اُونچے نہ ہو سکے
کُھل کر دیارِ سنگ میں رویا نہ تُو نہ مَیں

جب بھی نظر اُٹھی تو فلک کی طرف اُٹھی
برگشتہ آسمان سے گویا نہ تُو نہ مَیں

(خالد احمد)

میں نے روکا بھی نہیں اور وہ ٹھہرا بھی نہیں
حادثہ کیا تھا، جسے دل نے بھلایا بھی نہیں

جانے والوں کو کہاں روک سکا ہے کوئی
تم چلے ہو تو کوئی روکنے والا بھی نہیں

دور و نزدیک سے اُٹھتا نہیں شورِ زنجیر
اور صحرا میں کوئی نقشِ کفِ پا بھی نہیں

بے نیازی سے سبھی قریۂ جاں سے گزرے
دیکھتا کوئی نہیں ہے کہ تماشا بھی نہیں

وہ تو صدیوں کا سفر کر کے یہاں پہنچا تھا
تُو نے منہ پھیر کے جس شخص کو دیکھا بھی نہیں

کس کو نیرنگیِ ایام کی صورت دکھلائیں
رنگ اُڑتا بھی نہیں، نقش ٹھہرتا بھی نہیں

(اسلم انصاری)

○

چراغ سامنے والے مکان میں بھی نہ تھا
یہ سانحہ مرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا

جو پہلے روز سے دو آنگنوں میں تھا حائل
وہ فاصلہ تو زمین آسمان میں بھی نہ تھا

یہ غم نہیں ہے کہ ہم دونوں ایک ہو نہ سکے
یہ رنج ہے کہ کوئی درمیان میں بھی نہ تھا

ہوا نہ جانے کہاں لے گئی وہ تیر کہ جو
نشانے پر بھی نہ تھا اور کمان میں بھی نہ تھا

جمالؔ پہلی شناسائی کا وہ اک لمحہ
اسے بھی یاد نہ تھا میرے دھیان میں بھی نہ تھا

(جمال احسانی)

○

اب اُداس پھرتے ہو سردیوں کی شاموں میں
اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں

اب تو اس کی آنکھوں کے میکدے میسّر ہیں
پھر سکون ڈھونڈو گے ساغروں میں جاموں میں

دوستی کا دعویٰ کیا عاشقی سے کیا مطلب
میں ترے فقیروں میں میں ترے غلاموں میں

جس طرح شعیبؔ اس کا نام چُن لیا تم نے
اس نے بھی ہے چُن رکھا ایک نام ناموں میں

(شعیب بن عزیز)

○

دریچہ بے صدا کوئی نہیں ہے
اگرچہ بولتا کوئی نہیں ہے

میں ایسے جمگھٹے میں کھو گیا ہوں
جہاں میرے سوا کوئی نہیں ہے

رُکوں تو منزلیں ہی منزلیں ہیں
چلوں تو راستہ کوئی نہیں ہے

کھلی ہیں کھڑکیاں ہر گھر کی لیکن
گلی میں جھانکتا کوئی نہیں ہے

کسی سے آشنا ایسے ہُوا ہُوں!
مجھے پہچانتا کوئی نہیں ہے

(صابر ظفر)

○

سات سُروں کا بہتا دریا تیرے نام
ہر سُر میں اک رنگ دھنک کا تیرے نام

جنگل جنگل رونے والے سب موسم
اور ہوا کا سبز دوپٹہ تیرے نام

ہجر کی شام اکیلی رات کے خالی در
صبح فراق کا درد اُجالا تیرے نام

تیرے بنا جو عُمر بِتائی بیت گئی
اب اِس عمر کا باقی حصّہ تیرے نام

جتنے خواب خدا نے میرے نام لکھّے
ان خوابوں کا ریشہ ریشہ تیرے نام

(ایوب خاور)

○

مجھ سے کرتا تھا نہ ملنے کے بہانے کتنے
اب گزارے گا مرے ساتھ زمانے کتنے

میں گرا تھا تو بہت لوگ رُکے تھے لیکن
سوچتا یہ ہوں کہ آئے تھے اُٹھانے کتنے

تم نیا زخم لگاؤ تمہیں اس سے کیا ہے
بھرنے والے ہیں ابھی زخم پرانے کتنے

اپنی تخلیق میں انسان کو شامل کر کے
دُکھ اُٹھائے ہیں خدا جانے خدا نے کتنے

جس طرح ہم نے اُسے اپنا بنا رکھا ہے
سوچتے ہوں گے وہی بات نجانے کتنے

(نثار ترین جاذب)

○

ہم تم ہوں گے بادل ہوگا
رقص میں سارا جنگل ہوگا

وصل کی شب اور اتنی کالی
اُن آنکھوں میں کاجل ہوگا

کس نے کیا مہمیز ہوا کو
شاید اُن کا آنچل ہوگا

پیار کی رہ پہ چلنے والو
رستہ سارا دلدل ہوگا

(فاروق روکھڑی)

اساتذۂ قدیم سے لے کر عصرِ حاضر تک

اُردو کی

شاہکار غزلیں

وہ غزلیں —— جو آپ کے دل کی دھڑکن میں بسی ہُوئی ہیں

وہ غزلیں —— جو آپ سُننا پسند کرتے ہیں

وہ غزلیں —— جن میں سے کچُھ آپ کی ذاتی ڈائری پر لکھی ہُوئی ہیں

وہ غزلیں —— جن کو آپ نے کئی کتابوں میں تلاش کیا ہوگا

وہ غزلیں —— جن کے اشعار آپ اپنے پیاروں کو لکھنا پسند کریں گے

وہ تمام غزلیں —— جو آپ کو اپنے اِرد گرد گنگناتی محسوس ہوتی ہیں

اِس ایک جِلد میں پیش کی جارہی ہیں۔

ماورا

سرورق : فاروق